صداقت فریدی نامی شخص کی کتاب کا اجمالی رد

(احادیثِ صحاح ستہ میں "فیضانِ روافض" کا نامعقول نعرہ)

تحقیقی جائزہ: ڈاکٹر محمد نعیم الدین الازھری

ان دونوں سوشل میڈیا کے ذریعے ایک نیا نعرہ سننے کو مل رہا ہے۔ **فیضانِ روافض زندہ باد**۔ یہ نعرہ لگانے والے صاحب اپنے تئیں بیک وقت ایک عالمِ دین اور کاشت کار ہیں اور انہوں نے اس نعرے کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی ہے کہ اہلسنت کا بہت سارا ذخیرہ حدیث گویا کہ غالی رافضیوں کی عطا ہے۔ اگر یہ رافضی نہ ہوتے تو یہ احادیث کبھی ہم تک نہ پہنچ سکتیں۔ ان کا کہنا ہے کہ صحاح ستہ میں ہزاروں کی تعداد میں رافضی اور ناصبی راویوں کی روایات موجود ہیں۔ یوں انہوں نے پورے ذخیرہ حدیث کو مشکوک اور ناقابل تسلیم بنانے کی کوشش کی ہے۔

مذموم تصویر کشی :

موصوف نے اپنی گفتگو میں ایسا سوقیانہ انداز اپنایا ہے جس میں محدثینِ کرام کے ادب اور مقام و مرتبہ کا بالکل لحاظ نہیں رکھا۔ ان کی بات سن کر مبتدی شخص کو ایک لمحہ کے لیے یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ سارے محدثین ہمارے ہی آس پاس کہیں رہتے ہیں اور وہ ہمہ وقت غالی قسم کے گستاخ رافضیوں کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں اور جہاں کہیں ان کو کوئی رافضی نظر آتا ہے تو وہ کلمہ شکر پڑھتے ہوئے اس کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتے ہیں اور اس کے پاس سے جو باتیں ملتی ہیں انہیں حدیث بنا کر فوراً اپنی کتب میں درج کر لیتے ہیں۔ (العیاذ باللہ) . یوں ان نام نہاد محقق صاحب نے نہ تو محدثین کے بیان کردہ اصولوں کو پیش نظر رکھا۔ نہ ہی بُعدِ زمانی کو دیکھا اور نہ ہی عصر حاضر اور قدیم زمانے کی مصطلحات کے فرق پر توجہ دی اور غالباً مکتبہ شاملہ کا استعمال کرتے ہوئے صفحوں کے صفحے کالے کر دیئے اور یوں مصنفِ کتبِ کثیرہ بننے کا شوق پورا کر لیا۔ موصوف کے یہ غلط نتائج اور اور بلند بانگ دعوے تاریخ کے کوڑا دان میں پھینکے جانے کے لائق ہیں اور وہ اپنی ان مذموم کوششوں سے محدثین کرام کو ہرگز مجروح نہ کر سکیں گے۔ جنہوں نے تائید ایزدی سے خدمتِ حدیث مصطفی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لیے زندگیاں وقف کیں، جرح و تعدیل کے اصول وضع کیے، صحیح اور ضعیف کی پہچان کے لیے بیسیوں فلٹر لگائے، طویل سفر کئے، مشقتیں برداشت کیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کو مدون فرمایا۔ **چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک**

اب ہم حقیقت پسندی سے ان کے دعووں کا جائزہ لیتے ہیں؛ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ صحاح ستہ میں ایسے کچھ راوی موجود ہیں جن پر ناصبیت، رافضیت یا خارجیت کی تہمت لگائی گئی ہے لیکن اس حوالے سے درج ذیل حقائق ذہن میں رکھنا ضروری ہیں۔ ہمارے محدثین کرام نے ہر چیز کو روز روشن کی طرح واضح کر دیا، کسی چیز کو چھپایا نہیں، مخفی نہیں رکھا اگر کسی پر تشیع یا ناصبیت کا الزام تھا تو اس بات کو بھی مکمل واضح کر دیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہر چیز واضح ہونے کے باوجود ان راویوں سے روایات کیوں لیں؟ !ان کی روایت کردہ اَحادیث کیوں اپنی کتابوں میں درج کیں؟ !جو لوگ اس چیز کو منفی رنگ دینے کی کوشش کرتے

ہیں وہ یادرکھیں کہ یہ چیز تو محدثین کرام کی فضیلت اور ان کی منقبت ہے جس کو ان کا عیب بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ ان محدثین کا عدل وانصاف ہے کہ انہوں نے اہل سنت سے بھی روایات لیں اور دیگر افراد جن پر رافضیت، ناصبیت یا خارجیت کی تہمت تھی ان میں سے بھی قابلِ اعتماد راویوں کی روایت کو قبول کیا۔ انہوں نے جرح وتعدیل کے سخت اصول بنائے پھر جو شخص بھی ان اصولوں پر پورا اترتا گیا، بغیر کسی بخل اور تعصب کے انہوں نے اس کی روایت کو اپنی کتب میں شامل کیا جبکہ ان کے مقابلے میں شیعہ کتب کے مصنفین نے صرف اپنے ہی ہم خیال لوگوں سے روایات لی ہیں اور کسی دوسرے کی صحیح بات کو بھی قبول نہیں کیا۔

حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ وہ عظیم امامِ علمِ حدیث ہیں کہ جنہوں نے تعصب، گروہ بندی اور فرقہ پرستی سے پاک ہو کر علمی اصولوں کی روشنی میں اپنی کتاب کو مرتب فرمایا اور انہوں نے اپنی کتاب کے مقدمے میں یہ اعلان کیا کہ ہمارے نزدیک سب سے اہم چیز سچائی کی تلاش ہے، اس لیے ہمیں جہاں بھی کوئی بات جرح وتعدیل کے اصولوں پر پوری اترتی نظر آئے گی تو ہم اس کو دل و جان سے قبول کرتے ہوئے اپنی کتب میں جگہ دیں گے۔ اس سلسلے میں اصولِ حدیث کی مستند کتاب نخبۃ الفکر میں راوی پر اسبابِ طعن کا ذکر کرتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں :

"مبتدعہ (خوارج، نواصب اور روافض وغیرہ) سے روایات حدیث لینے کے حوالے سے محدثین کرام کے اصول درج ذیل ہیں : بدعت کی دو قسمیں ہیں؛ بدعت مکفرہ (کفر تک پہنچانے والی بدعت) بدعت مفسقہ (فاسق بنانے والی بدعت)

علمائے حدیث کا اس بات پر اجماع ہے کہ بدعتِ مکفرہ کے مرتکب سے حدیث کو ہرگز نہیں لیا جائے گا اگرچہ کچھ محدثین نے اس سے اختلاف بھی کیا لیکن اعتبار جمہور کے قول کا ہو گا۔ ہاں اگر کوئی رافضی خارجی یا ناصبی بدعت مفسقہ کا مرتکب ہے تو اس سے حدیث قبول کرنے کی درج ذیل پانچ شرطیں لگائی گئیں جو انتہائی کڑی شرائط ہیں؛

1۔ **ان یکون صادقا وان لا یستحل الکذب** کہ وہ راوی صادق ہو اور اپنی بات منوانے کے لیے جھوٹ کو حلال نہ سمجھتا ہو اور نہ ہی اس پر کبھی جھوٹ کا بہتان لگا ہو یعنی صدق، عدالت، ضبط، عدم شذوذ وعلت کی پانچ شرائطِ صحت اس میں پائی جائیں۔

2۔ **ان لایکون داعیا الی بدعته** کہ وہ راوی اپنی بدعت کی ترویج واشاعت کرنے والا نہ ہو یعنی اس کی طرف لوگوں کو دعوت نہ دیتا ہو۔

3۔ **ان لاتکون هذه الروایة تؤید بدعته** اور وہ روایت ایسی نہ ہو کہ جو اس کی بدعت کی تائید کرنے والی ہے یعنی جو حدیث اس سے لی جارہی ہے وہ اس کی بدعت کے موضوع سے متعلق نہ ہو، اس روایت کا تعلق دین کے کسی بھی جز سے ہو لیکن اس کی بدعت کے ساتھ تعلق نہ ہو۔

4۔ **ان لایکون هذا الراوی من غلاۃِ الرُواۃِفی بدعته** اور وہ راوی اپنی بدعت میں غلو کرنے والے راویوں میں سے نہ ہو

5۔ **ان لا ینفرد بروایته** کہ وہ اپنی اس روایت میں اکیلا نہ ہو بلکہ وہی روایت دیگر راویوں سے بھی منقول ہو یعنی اس کے علاوہ اور بھی اہل سنت کے راوی اس حدیث کو روایت کرنے والے موجود ہوں۔

تو تابع اور شاہد کے درجے میں یا ایک تائیدی روایت کے طور پر پھر اس کی روایت کو بھی صحیح مانا جائے گا۔ جب یہ پانچ شرائط پائی جائیں گی تو پھر اس راوی کی روایت کو قبول کر لیا جائے گا۔ دوسری طرف اگرچہ کوئی اہل سنت سے ہو لیکن اس پر جھوٹ ثابت ہو جائے اس کی روایت کو بھی مسترد کر دیا جائے گا ۔ اب آپ ہی بتائیں اس سے بہتر انصاف کیسے ہو سکتا ہے، اصولِ جرح و تعدیل کی ان تمام کڑی شرائط کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس اخذِ روایت کے عمل کو فیضانِ روافض کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ فیضان روافض تب ہوتا جب یہ محدثین آنکھیں بند کر کے رافضیوں کی ہر بات کو قبول کر لیتے کیونکہ بندہ جس سے فیض لیتا ہے اس کی ہر بات کو قبول کرتا ہے اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے اس کو اپنا استاد مانتا ہے، یہاں معاملہ فیضان لینے کا نہیں بلکہ انصاف اور اصول کا ہے۔ اصول قطعی حیثیت رکھتے ہیں، جذبات سے عاری ہوتے ہیں، اصولوں کا مذہب اور مسلک نہیں ہوتا نہ ہی ان میں لچک ہوتی ہے۔ اصول تو یونیورسل اور عالمگیر ہوتے ہیں پھر جو بھی ان اصولوں کے دائرے میں آتا ہے وہ پسند ناپسند سے بالا تر ہو کر تسلیم کر لیا جاتا ہے، ہمارے محدثین نے حق اور سچ کو اپنی ذات کے لیے محدود نہیں کیا بلکہ اصول و ضوابط کے مطابق فیصلے فرمائے ہیں۔

وعینُ الرضا عن کل عیبٍ کلیلۃٌ۔۔۔۔ وعینُ السخطِ تبدی المساویَ

جب بندہ کسی بات پر رضامند ہو تو پھر وہ ہر عیب سے آنکھیں بند کر لیتا ہے اور جب کسی بات پر ناراض ہوتا ہے تو اسے اچھی بات بھی بری محسوس ہونے لگتی ہے۔

یہاں بھی یہ معاملہ ہے کہ جس چیز پر محدثین کی تعریف کرنی چاہیے تھی اور ان کی عظمت کا اعتراف کرنا تھا اسی بات کو نعوذباللہ ان کے حق میں گالی بنا کر پیش کیا جارہا ہے اور سارے ذخیرہ حدیث کو مشکوک کر کے منہدم کرنے کی مذموم کوشش ہو رہی ہے۔ موصوف اپنے ایک کلپ میں کہہ رہے تھے کہ صحاح ستہ کو ہمارے ائمہ اور فقہاء حدیث کی کتابیں ہی نہیں مانتے بلکہ ان کو فقہ شافعی کی ابواب بندی سمجھتے ہیں۔ ذرا بتائیں تو سہی کہ وہ آپ کے فقہاء کون ہیں جو ان کو حدیث کی کتابیں نہیں مانتے۔ امت مسلمہ کے تمام فقہاء، علماء اور ائمہ نے تو ان کتابوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا ہے، دل و جان سے قبول کیا ہے۔ آپ کن علماء کی زبان بول کر ان کتب احادیث کو مشکوک بنانے میں لگے ہوئے ہیں (احناف اور شوافع میں اختلاف کے باوجود ان کتابوں کی صحت کو پوری امت نے تسلیم کیا ہے)۔

مفہوم تشیع میں متقدمین اور متاخرین کا فرق:

اس ضمن میں یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ تشیع اور رفض پہلے محدثین کرام کے زمانے میں الگ مفہوم میں استعمال ہوتا تھا اور آج کا مفہوم الگ ہے۔ یہ بات اگر سمجھ آ جائے تو پھر میں صحاح ستہ میں موجود مبتدعہ و روافض کی روایات کا سبب معلوم ہو جاتا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب التہذیب میں رقم طراز ہیں: التشیع فی عرف المتقدمین ھو اعتقادُ تفضیل علیٍّ علی عثمانَ، وأنَّ علیًا کان مصیبًا فی حروبِہ وأنَّ مخالفہ مخطئٌ مع تقدیم الشیخین و تفضیلھما، و ربما اعتقد بعضھم أنَّ علیا افضل الخلق بعد رسول اللہ ، واذا کان معتقدا ذلك ورعًا دینیًا صادقًا مجتھدًا فلا تُرَدُّ روایتُہ بھذا ، لاسیا ان کان غیر داعٍ

ترجمہ: متقدمین اصحاب حدیث کے نزدیک تشیع کا لفظ ایسے شخص پر بولا جاتا تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل جانتا ہو اور یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ حضرت مولا علی جنگوں میں حق بجانب تھے اور ان کا مد مقابل خطا پر تھا جبکہ ساتھ وہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو افضل بھی جانے یا پھر حضرت علی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل الخلق سمجھے پس جب ایسا اعتقاد رکھنے والا سچا پرہیز گار صاحب اجتہاد ہوتا تو اس کی روایت کو قبول کر لیا کرتے تھے بشر طیکہ وہ اپنی بدعت کی طرف دوسروں کو دعوت دینے والا نہ ہو۔(التہذیب ج1، ص94) پھر علامہ ابن حجر مزید فرماتے ہیں: جو شخص حضرت مولا علی شیر خدا کو شیخین سے مقدم سمجھے وہ غالی شیعہ تصور کیا جاتا اور اس پر رافضی کا لفظ بولا جاتا اور اگر کوئی مذکورہ بالا اعتقاد کے ساتھ ساتھ گالی گلوچ بھی کرتا تو اس کو غالی رافضی کہا جاتا تھا اور غالی رافضی کی روایت محدثین کے ہاں قابل قبول نہیں ہے۔(التہذیب، ج1، ص94)

یہ سب چیزیں واضح ہو جانے کے بعد ہم حضرت محقق سے درخواست کرتے ہیں کہ ہوش کے ناخن لیں اور تشیع کی اس اصطلاح کے مابین فرق کو بھی ملحوظ رکھیں جو متقدمین اور متاخرین کے ہاں پایا جاتا ہے۔ آج کل کے شیعہ ایسے بھی ہیں جو حضرت علی کو نعوذ باللہ الہ اور خدا کے درجے تک پہنچاتے ہیں۔ ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ وحی تو حضرت علی کی طرف آنی تھی جبرائیل امین نعوذ باللہ بھول کے حضور کی طرف چلے گئے۔ ایسے بھی ہیں جو قرآن میں تحریف کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ اصل قرآن کا نسخہ حضرت امام مہدی کے پاس ہے۔ ایسے شیعہ تو بکثرت موجود ہیں جو حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ اور دیگر امہات المومنین اور اصحاب ثلاثہ پر سر عام تبرا کرتے ہیں۔ جو اہل سنت کے دین کو "عمری دین" کہہ کر گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں اور جو سر عام اصحاب پر لعنت کرتے ہیں۔

میں پورے وثوق سے اور علی وجہ البصیرۃ کہتا ہوں کہ ایسے غالی رافضیوں اور شیعوں کا فیضان ہمارے ذخیرہ حدیث میں کہیں موجود نہیں بلکہ ہمارے محدثین کرام نے تو ایسے غالی شیعوں کا ردِ بلیغ فرمایا ہے، لہذا اس مذموم فیضانِ روافض کو آپ اپنے پاس رکھیں۔ آپ خود ہی اس سے دل کھول کر مستفید ہوں، رافضیوں کے ہم نوالہ اور ہم پیالہ بنتے پھریں۔ ہم ایسے فیضان روافض سے بیزاری کا اعلان کرتے ہیں۔

یہاں امام ذہبی کی یہ عبارت بھی ملاحظہ فرمائیں، آپ میزان الاعتدال صفحہ نمبر 72 پہ فرماتے ہیں: سلف صالحین کے زمانے میں غالی شیعہ اسے سمجھا جاتا تھا جو حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کے متعلق طعن و تشنیع کرے اور ایسے غالی کی روایت کو مسترد کر دیا جاتا تھا۔

جبکہ ہمارے زمانے میں غالی شیعہ اس کو کہا جاتا ہے جو ان حضرات صحابہ کرام کی تکفیر کرتے ہوئے شیخین پر تبرا کرتا ہے پس وہ گمراہ اور بھٹکا ہوا ملعون ہے۔ اپنے اس مقالے کے آخر میں نخبۃ الفکر سے علامہ ابن حجر عسقلانی کی ایک عبارت پیش کرتا ہوں جس سے محدثین کے ہاں عدل و انصاف و سعت ظرفی اور احقاق حق کا پتہ چلتا ہے، آپ مبتدعہ سے روایت لینے کے بارے میں قولِ فیصل ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: فالمعتمد: أن الذی تُرَدُّ روایته: من أَنْكَرَ أمراً متواتراً من الشرع، معلوماً من الدین

بالضرورة، وكذا من اعتقد عكسه. فأما من لم يكن بهذه الصفة، وانضم إلى ذلك ضَبْطُه لما يرويه، مع وَرَعِهِ وتقواه: فلا مانع من قبوله بشرط ان لايكون داعية لبدعته وان لايكون المروی موافقا لبدعته پس قابل اعتماد قول یہ ہے کہ (روافض نواصب اور خوارج میں سے) ایسے شخص کی روایت کو رد کر دیا جائے گا جو دین میں کسی ایسے امر متواتر کا انکار کرے جو ضروریات دین میں سے ہے یا کسی امر ضروری متواتر کے برعکس اعتقاد رکھے لیکن جو ضروریات دین کا منکر نہ ہو، اس کا حافظہ اور ضبطِ روایت درست ہو، اس میں پرہیز گاری اور تقوی بھی ہو نیز اپنی بدعت کو فروغ نہ دے اور نہ ہی وہ روایت اس کی بدعت کے موافق ہو پس ایسی روایت کو قبول کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ (نخبۃ الفکر، دارالبصائر، ص103)

یہ ہیں وہ اصول وضوابط اور قواعد جن کی روشنی میں محدثین کرام نے تمام روایات اپنی کتب میں شامل فرمائی ہیں اب اس کو فیضان روافض یا فیضان نواصب کہنے والا کس قدر متعصب، جاہل، علوم سے نابلد، ہٹ دھرم اور کٹ حجتی ہے اس کا اندازہ آپ خود ہی لگا سکتے ہیں۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

اللہ کریم حق بات کو سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

راقم الحروف:
محمد نعیم الدین الازہری
بھیرہ شریف